قرآن اور حدیث کی روشنی میں نفسیاتی مشکلات اور اس کا حل

□ محمد حسین حافظی ❋❋

خلاصہ:

جیسے انسان کا جسم بیمار ہو جاتا ہے اور اسے علاج و معالجے کی ضرورت ہوتی ہے ویسے ہی انسان کا نفس اور اس کی روح بھی بیمار ہو جاتی ہے اور اسے بھی علاج و معالجے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم اپنے معاشرے میں بہت سارے لوگوں کو افسردہ، غمگین اور ہزاروں قسم کی نفسیاتی مشکلات میں گرفتار دیکھتے ہیں جب کہ مادی حوالے سے دیکھا جائے تو انہیں کسی قسم کی مشکل کا سامنا نہیں ہوتا کیونکہ وہ بہت مالدار اور ثروتمند مند ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے ڈپریشن میں روز بروز اضافہ ہوتا دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے اسباب و عوامل بہت زیادہ ہیں۔ نفسیاتی ماہرین نے مختلف طریقوں سے اس سے چھٹکارا پانے کا حل پیش کیا ہے مثلاانہوں نے کہا ہے کہ نفسیاتی بیماری میں مبتلاانسان اگر صرف یہ تصور کرے کہ انسان، انسان کا دوست ہے نہ دشمن۔ تو اس کی نفسیاتی بیماری اور ڈپریشن میں کمی آسکتی ہے۔ واضح رہے کہ علم نفسیاتی ایک مستقل دانش ہے جسے اچھی طرح سمجھنے کے لئے اس کی تاریخ سے واقف ہونا ناگزیر ہے۔اس مقالے میں ہم ان اہم باتوں کو زیر بحث لائیں گے کہ انسانی سماج میں نفسیاتی بیماری کیسے پھیلتی ہے ؟قرآن و حدیث کی روشنی میں اس بیماری کے سد باب کی راہیں اور اس میں مبتلا ہونے والے انسانوں کے لئے شفا بخش نسخے کیا ہیں؟ مقالے کی نزاکت واہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم ان اہم سوالات کے جوابات واضح کرنے کی جدوجہد کریں گے۔

کلیدی الفاظ: قرآن، حدیث، نفسیاتی مشکلات، نفس اور روحی مشکلات۔

نفسیاتی علم کی تعریف اور پس منظر

نفسیاتی ماہرین نے اپنے علمی آثار میں مختلف طریقوں سے اس کی تعریف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نفسیاتی علم کو فارسی زبان والے علم روان شناسی کہتے ہیں اور بعض کی نظر میں روان سے مراد نفس ناطقہ ہے اور بعض دیگر کے مطابق روح ہے۔ سب سے پہلے نفسیاتی علم کو روح کا مطالعہ سمجھا جاتا تھا، اسی وجہ سے نفسیات اصل میں نفس soul کے مطالعے کا نام ہے اور اسے نفسیات کہا جاتا ہے۔ انگریزی میں اس کو psychology کہا جاتا ہے۔ یہ انگریزی کلمہ دو یونانی کلموں کا مجموعہ ہے psyche نفس روح ذہن اور رواں کو کہتے ہیں اور logos پہچان، بیان اور مطالعہ کے معنی میں ہے [1]

اس کے بعد اسے نفسیات کے اثرات کا مطالعہ سمجھا جانے لگا پھر اسے ایک سائینسی مطالعہ scientific study سے تعبیر کرنے لگے جس کا موضوع انسانی رفتار اور رویے کو قرار دیا گیا۔ [2] کچھ دوسرے نفسیاتی ماہرین نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا نفسیات رویے behavior اور برتاؤ کے سائنسی مطالعے کا نام ہے۔ آج کے نفسیاتی ماہرین کہتے ہیں روان شناسی یا نفسیاتی علم سے مراد ایسا علم ہے جو انسان کی مختلف نفسیاتی اور روحی تبدیلیوں کی تشریح کرتا ہے۔ [3]

اگر ہم ان تمام تعریفوں کو ایک جامع تعریف کی شکل میں بیان کرنا چاہیں تو نفسیات کی تعریف یوں کر سکتے ہیں۔ نفسیاتی علم ایک ایسی سائنس (علم) کا نام ہے جس میں انسان کے دماغ، ذہن، خیالات، احساسات، کردار، رفتار اور اس سے سرزد ہونے والے مختلف افعال پر بحث ہوتی

---

[1] ۔ حقانی، ابوالحسن، روان شناسی کاربردی جلد ا، ناشر انتشارات موسسہ آموزشی وپژوھشی امام خمینی، زمستان ۱۳۹۵۔
[2] ۔ حسین شکرکن ودیگران، مکتب ھای روان شناسی ونقد آن، جلد ۲، ص ۴۲
[3] ۔ ریٹال، اٹکینسون ودیگران زمینہ رواں شناسی ھیلگارد، ترجمہ محمد نقی براھنی ودیگران، جلد ا، ص ۲۹

ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نفسیاتی علم کا تعلق انسانی سوچ، فکر، عادات اور کردار سے ہے۔ کیونکہ انسان کا ذہن , روان , نفس اور روح نظر آنے والی چیز نہیں ہے جس کے باعث انسان ڈائریکٹ نفس اور روح کا مطالعہ نہیں کر سکتا، بلکہ اسے انسانی رفتار کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ مثلاً کچھ طالب علم (Student) ایسے ہیں جو ایک گھنٹے میں چند صفحوں سے زیادہ مطالعہ (study) نہیں کر سکتے لیکن بعض طالب علم ایک گھنٹے میں پچاس صفحے پڑھ سکتے ہیں یہاں ہم ان کی عملی رفتار کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی کہہ سکتے ہیں کہ دوسرا گروہ پہلے والے گروہ کی نسبت زیادہ ذہین ہیں یعنی ان کی ذہنی صلاحیت اور استعداد پہلے والے گروہ کی نسبت زیادہ ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان , کسی کی ذہنی استعداد اور صلاحیت ڈائرکٹ تو نہیں سمجھ سکتا لیکن اس کی رفتار اور کارکردگی کو دیکھ کر اس کی صلاحیت، استعداد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس طرح انسان کی رفتار کو دیکھ کر ہی اس کے ذہن اور نفس کا مطالعہ ممکن ہو جاتا ہے اسی لئے بعض نفسیاتی ماہرین نے کہا ہے کہ نفسیاتی علم انسان کی رفتار، رویہ، کردار اور عادات کے مطالعے کا نام ہے۔ نفسیاتی علم پر بحث و مباحثے کا سلسلہ یوں تو قدیمی زمانے سے چلا آرہا ہے لیکن اسے ایک مستقل علم کا عنوان نہیں ملا تھا بلکہ یہ ابحاث پراکندہ تھیں۔ ویلہلم ونٹ (۱۸۷۹) نے اسے باقاعدہ مستقل علم کے عنوان سے یاد کیا ہے۔[1]

انسان کے ذہنی مسائل اور نفسیاتی مشکلات

عصر حاضر میں ایک طرف مادیات اور زندگی کے وسائل میں خیرہ کن ترقی دیکھنے کو ملتی ہے، ان وسائل کی وجہ سے آج کے زمانے میں زندگی بسر کرنے والوں کا ہر کام آسان اور سہل ہو گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسانوں کے درمیان امن، محبت، بھائی چارگی اور ایک دوسرے کے دکھ

[1]۔ دونالد ہب، درس نامہ روان شناسی، ترجمہ: جواد قہرمانی، انتشارات رشد، ۱۳۷۵

سکھ میں کام آنے کے انسانی جذبات ختم ہو رہے ہیں۔

اسی وجہ سے آج کے اس زرق و برق مادیات کے زمانے میں بھی انسانوں کی اکثریت دماغی، ذہنی اور نفسیاتی مختلف بیماریوں میں مبتلا نظر آتی ہے اور جب انسان کا نفس بیمار ہو جاتا ہے تو ہر وہ کام کر جاتا ہے جو انسانی سماج سے سوٹ نہیں کرتا، جو انسان کی انسانیت کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ ایسے حالات میں انسان، انسان کو نہیں پہچانتا، انسان اپنے جیسے انسانوں پر ظلم کرنے سے دریغ نہیں کرتا، وہ دوسروں کے لیئے وہ چیز پسند کرنے لگتا ہے جو اسے خود پسند نہ ہو۔ جب کہ معصومؑ کا فرمان ہے: تم دوسروں کیلئے وہی پسند کرو جو اپنے لیئے پسند کرتے ہو۔

آج ہمارے سماج میں ہزاروں مشکلات موجود ہیں، جن کی وجہ سے ہزاروں قسم کی نفسیاتی بیماریاں جنم لے رہی ہیں۔ بے روزگاری اور معاشی حالات آج کی جدید نسلوں کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ جہاں ایک طرف کمر توڑ مہنگائی کا بول بالا ہے تو دوسری طرف نوجوانوں کو میرٹ پر نوکری دینے کے بجائے منہ مانگی رشوت لے کر نوکری دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوان طبقے کی صلاحیتیں دبتی جارہی ہیں، چوری اور ڈکیتی جیسی وبا معاشرے میں عام ہوتی جارہی ہے۔ اسی وجہ سے آج کے جو جوان مختلف درسگاہوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں ان کا مقصد ڈگری حاصل کرنا ہے۔ قابلیت اور صلاحیت کا معیار تعلیمی اداروں سے ختم ہوتا جارہا ہے کیوں کہ آج کے ہمارے معاشرے میں نوکری کے لئے رشوت اور ڈگری سے لینا دینا ہوتا ہے۔ جب تعلیم کا معیار ڈگری اور نوکری ہو تو اس تعلیم سے انسان کی تربیت کیسے ممکن ہو سکتی ہے؟

ایسے نازک حالات میں صرف دین اسلام ہی وہ حیات بخش نظریہ ہے جو انسانیت کے ہر

قسم کے مسائل و مشکلات کا شافی و کافی حل پیش کرتا ہے۔ قرآن اور حدیث کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ انسان کی اصلی اور حقیقی پناہ گاہ خدا ہے، لیکن آج کا انسان مادیات اور دنیاوی کاموں میں اتنا غرق ہو چکا ہے کہ اسے اپنی حقیقی پناہ گاہ کی معرفت اور اسے پہچاننے کا وقت نہیں ملتا، آج کا انسان معنویات سے دور سے دور تر ہوتا جارہا ہے، معاشرے کا ہر طبقہ اپنی معاشی زندگی کے پیچھے بھاگ دوڑ کر رہا ہے، یہاں تک کہ اسے یہ بھی سوچنے کا وقت نہیں ہے کہ انسان کے نفس یا روح (جو انسان کی حقیقت اور اس کا جوہر ہے) کی بھی کچھ ضروریات اور وظائف ہوا کرتے ہیں۔ جب انسان اپنی حقیقی پناہ گاہ سے دور رہے گا تو خدا کی جگہ شیطان اس کی پناہ گاہ بنے گی اور شیطان وہ مخلوق ہے جس نے انسان کو گمراہ کرنے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔« قالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلاّ عِبادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ »[1]؛ شیطان نے کہا: تیری عزت کی قسم! ان سب کو گمراہ کروں گا مگر تیرے مخلص بندوں کو۔ ہم مسلمان ہیں، خدا ہماری پناہ گاہ ہے، حضرت محمد ﷺ ہمارے آخری نبی ہیں، اسلام ہمارا دین ہے، قرآن ہماری کتاب ہے و۔۔۔ مسلم سوسائٹی میں ہر جگہ اسلامی تعلیمات کا بول بالا ہونا چاہئے لیکن افسوس کے ساتھ رقمطراز ہوں کہ آج کل ہمارے تعلیمی اداروں میں لوگ اس کی طرف کم توجہ دیتے ہیں۔ ہماری کتنی یونیورسٹیوں میں خدا اور رسول ﷺ کی معرفت، قیامت، معاد اور دینی مختلف اقدار کے بارے میں پڑھایا جاتا ہے؟ ان چیزوں کی طرف ہماری توجہ بلکل بھی نہیں ہے بس صرف ہمیں ہمارے بچوں کے مادی وسائل کو مہیا کرنا ہے جس کے لیئے والدین ان کی انگلش امپرو کرنے، میڈیکل میں ایڈمیشن کرانے اور انجینئر بنانے و۔۔۔ کی فکر میں رہتے ہیں جس کی وجہ مادی فوائد کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

---

[1] ۔ص۔ ۸۲۔

اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ انسان نے میڈیکل میں بڑی ترقی کی ہوئی ہوتی ہے یا وہ بہت بڑا انجنیئر بن چکا ہوتا ہے، لیکن اس کا باطن دنیا کی ہوس، پیسوں کی تمنا، انسانی اقدار سے خالی، تکبر و۔۔۔ جیسی ہزاروں قسم کی باطنی اور نفسانی بیماریوں میں مبتلا نظر آتا ہے، اس کا دل انسانی درد سے یکسرہ خالی ہوتا ہے۔ نتیجے میں وہ دوسرے انسانوں کو انسان سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔

ہمارے درسگاہوں میں انگریزوں کی مختلف تاریخ تو بڑے اہتمام سے پڑھائی جاتی ہے، لیکن اسلامی تربیتی پہلو پر کوئی خاص اہتمام نظر نہیں آتا، جس کے نتیجے میں آج ہمارے بچے اسلامی آداب اور اخلاق سے تہی دست ہیں، لہٰذا ضروری ہے انسان اپنی شناخت حاصل کرے۔ جب انسان اپنے آپ کو پہچانے گا تو وہ اپنے خدا کو بھی پہچان لے گا۔«مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ» [1]؛ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے خدا کو پہچانا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم انسان کے تمام ابعاد کی تربیت کا اہتمام کریں، والدین جتنا بچوں کے جسمانی پہلو کا خیال رکھتے ہیں اتنا ہی بچوں کی نفسانی اور روحانی پہلو کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایک چھوٹی مثال سے ہم اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس روئے زمین پر خداوند متعال نے انسان کو احسن الخالقین بنا کر پیدا کیا، اس احسن الخالقین کے مصادیق میں سے ایک مصداق یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کے تمام اعضا و جوارح کو موزوں مقامات پر رکھا، اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ تصور کریں کہ ہماری ناک کی ساخت حد سے زیادہ بڑی ہوتی یا پیشانی کے بیچ میں ہوتی تو کیا یہ احسن الخالقین کے زمرے میں آتا؟ ہر گز نہیں۔ خداوند قدوس نے ہمارے صرف ایک یا دو عضو کو نہیں بلکہ ہر اعضا و جوارح کو اپنے موزوں جگہ پر قرار دیا ہے۔

---

[1] ۔ تمیمی آمدی، غرر الحکم و درر الکلم، ۱۴۱۰ق، ص۵۸۸؛ لیثی واسطی، عیون الحکم والمواعظ، ۱۳۷۶ش، ص۴۳۰۔

اسی طرح اگر والدین اپنے بچوں کے تمام ابعاد (روحانی اور جسمانی) کی صحیح تربیت نہ کریں، بلکہ صرف ان کے جسمانی پہلو کا خیال رکھیں ایسی صورت میں انسان کبھی بھی انسانی اقدار کا پائبند نہیں ہو سکتا۔ روحانی اور نفسیاتی پہلو کی تربیت کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اسلامی اور قرآنی تعلیمات کی روشنی میں معنویات اور اخلاقیات سے روشناس کرائیں۔ بچوں کو نماز کی اہمیت اور نماز پڑھنے کا عادی بنانا والدین کے اولین فرائض میں سے ہے، لڑکی کو پردے کی اہمیت بتانا اور نماز کا عادی بنانا، ٹی وی، انٹرنیٹ اور موبائل کے اچھے اور برے اثرات سے واقف کرانا والدین کا شرعی وظیفہ ہے؛ لہٰذا ہر پل والدین کو بچوں کی حرکات وسکنات پر نگاہ رکھنا ضروری ہے۔ بچوں کو اسلامی اخلاقیات سے آشنا کرانا، ضروری احکامات کی تعلیم دینا، اسی طرح بری خصلتوں سے بچوں کو دور رکھنا اور اپنی اولادوں کو اولاد صالح اور نیک انسان بنا کر معاشرے کو پیش کرنا والدین کا وظیفہ ہے۔ اس اہم پہلو کی طرف لوگوں کی توجہ مبزول کرانا ماں باپ، کالج اور یونیورسٹی میں پڑھانے والے اساتیذ اور معاشرے میں تمام پڑھے لکھے لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ تمام درسگاہوں میں اس اہم موضوع پر مختلف قسم کے سیمنارز، لیکچرز اور دروس کا اہتمام کرنا ہم سب کا دینی، شرعی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ [1]؛ تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں بازپرس ہوگی۔ ہمیں اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ علم دل سے تعلق رکھتا ہے؛ لہٰذا دل کا پاک و پاکیزہ ہونا تعلیمی میدان میں پہلی شرط ہے، چنانچہ سورہ مبارکہ جمعہ میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوے اللہ تعالی نے فرمایا: وَيُزَكِّيهِمْ

[1]۔ شعیری، محمد بن محمد، جامع الأخبار، جلد: ۱، ص۱۱۹، ناشر: مطبعۃ حیدریۃ، بی تا۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ[1] ؛ اس آیہ شریفہ میں پہلے تذکیہ نفس پھر تعلیم کو حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ حدیث میں آیا ہے: علم بارش کی طرح ہے بارش پھولوں پر بھی برس سکتی ہے اور گندگیوں کے ڈھیر پر بھی۔ فرق کیا ہے؟ فرق یہ ہے کہ اگر بارش پھولوں کے درمیان برسے تو خوشبو آئے گی، لیکن اگر یہی بارش گندگیوں کے ڈھیر میں برسے تو بدبو آئے گی۔ بلکل اسی طرح علم نور ہے؛ لہٰذا اس نور کی جگہ بھی نورانیت ہونی چاہئے۔ علم کا ظرف یعنی دل پاک و صاف ہو لیکن اگر علم کی جگہ پاک نہ ہو، دل گناہوں سے آلودہ ہو تو ممکن ہے یہی علم انسان کو تاریکی اور ظلمت کی طرف لے جائے اس وقت یہ نور تاریکی میں بدل جائے گا اور بقول امام خمینی حجاب اکبر بن جائے گا۔ لہٰذا انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اوقات کو اس طرح تقسیم کرے کہ مادی اور دنیاوی اشیاء کے بارے میں فکر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی آخرت کی زندگی کے بارے میں جہاں اسے ہمیشہ رہنا ہے بھی فکر کرے ورنہ اس دنیا کی جلد گزر جانے والی زندگی سے آنکھیں بند کرنے کے بعد کف افسوس ملنے کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ امام رضاؑ کا ارشاد ہے: إجتَهِدوا أن يَكونَ زَمانُكُم أربَعَ ساعاتٍ: ساعَةً منهُ لِمُناجاةِ اللّهِ و ساعَةً لِأمرِ المَعاشِ و ساعةً لِمُعاشَرَةِ الإخوانِ و الثِّقاتِ و الَّذينَ يُعَرِّفُونَ عُيُوبَكُم و يَخلِصونَ لَكُم فِي الباطِنِ و ساعَةً تَخلُونَ فيها لِلَذّاتِكُم و بِهذِهِ السّاعَةِ تَقدِرونَ عَلَى الثَّلاثِ ساعاتٍ۔[2]؛ کوشش کرو کہ تمارا وقت چار زمانوں اور فرصتوں میں تقسیم شدہ ہو۔ تمہاری زندگی کا ایک وقت اللہ سے راز و نیاز اور اس کی عبادت و بندگی سے مخصوص ہونا چاہیئے۔ وقت کا دوسرا حصہ، حصول رزق اور کسب معاش کے لئے ہو۔ تیسرا حصہ اپنے بھائیوں اور معتمد افراد سے ملنے اور ملاقات کے لئے ہو۔ ایسے لوگ جو

---

[1]۔ جمعہ: ۲۔

[2]۔ علی بن موسی، امام ہشتمؑ، الفقہ المنسوب إلی الإمام الرضاؑ، جلد ۱، ص ۳۳۷، ناشر: مؤسسۃ آل البیت ع، مشہد: ۱۴۰۶ق۔

تمہارے عیوب کو جانتے ہوں لیکن تمہارے لئے مخلص ہوں۔ یعنی وہ تمہیں آئینہ دیکھانے والے ہوں ۔ اور چوتھا حصہ حلال لذتوں کے لئے ہو اور یہ چوتھا حصہ اگر درست طریقہ سے استعمال کیا جائے تو تم اپنے ان دیگر تین اوقات کو بھی منظّم اور کارآمد طریقے سے گذار سکتے ہو۔

اور یہ کوئی مشکل کام نہیں بس صرف ہمت کرنے کی ضرورت ہے حدیث میں ہمیں یہ جملہ ملتا ہے (اَلْمَرْءُ یَطِیرُ بِهِمَّتِه)[۱]؛ مرد ہمت کے زریعے پرواز کرتا ہے۔ انسان کی ہمت جتنی بلند ہوتی ہے اتنا ہی وہ بلند پرواز کر سکتا ہے اگر انسان کا ہدف عظیم ہو مگر اس ہدف تک پہنچنے کی ہمت نہ ہو تو وہ کبھی بھی اپنے ہدف تک نہیں پہنچ سکتا؛ لہٰذا انسان کو اسی وقت کامیابی ملتی ہے جب نیک ہدف کے لیئے پختہ ارادہ اور بلند ہمت رکھتا ہو۔

ارادے جن کے پختے ہوں نظر جن کی خدا پر ہو
تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

امیر المومنین ع کا فرمان ہے: (قَدْرُ الرَّجُلِ عَلَی قَدْرِ هِمَّتِه)[۲]؛ ہر شخص کی ارزش اور قیمت اس کی ہمت کے لحاظ سے ہے (مَن صَغُرَت هِمَّتُهُ بَطَلَت فَضیلَتُهُ)[۳]؛ جس کی ہمت کم ہو وہ اپنی فضیلت کھو دیتا ہے. امام سجاد اپنی مناجات میں فرماتے ہیں (اسئلک من المھم اعلی ھا) پروردگارا تجھ سے عالی ترین ہمت کا طالب ہوں۔

نفسیاتی مشکلات کا حل:

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بہت ساری ایسی خصوصیات انسان میں موجود ہیں جو نفسیاتی

---

[۱]۔ مجلسی، محمد باقر بن محمد تقی، بحار الأنوار (ط- بیروت)، جلد ۱۸، ص ۲۸۲، ناشر: دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۳ق۔
[۲]۔ حلوانی، حسین بن محمد بن حسن بن نصر، نزہۃ الناظر وتنبیہ الخاطر، جلد ۱، ص ۴۶، ناشر: مدرسۃ الإمام المہدی عج، قم: ۱۴۰۸ق۔
[۳]۔ تمیمی آمدی، عبد الواحد بن محمد، تصنیف غرر الحکم ودرر الکلم، جلد ۱، ص ۴۴۷، ناشر: دفتر تبلیغات، قم: ۱۳۶۶ش۔

امراض کو پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کرتی ہیں مثلا جھوٹ، غیبت، تہمت، حسد، نفرت ، منفی سوچ و۔۔۔پس معلوم ہوا انسان اسی وقت ذہنی کرب اور ڈپریشن سے دور رہ سکتا ہے جب وہ اسلامی تعلیمات (قرآن اور حدیث) کے معیار کے مطابق سوچنا اور فکر کرنا شروع کردے۔ ماہرین نفسیات، نفسیاتی بیماروں کے لئے جو حل بتاتے ہیں وہ ۱۴۰۰ سال پہلے اسلامی تعلیمات میں بیان ہو چکا ہے۔ ہم یہاں اسکے کچھ نمونے بیان کرنے پر اکتفا کریں گے۔

ا۔ عمل سے پہلے فکر کرنا

انسان اپنے روز مرہ زندگی میں جو امور انجام دیتا ہے اسے انجام دینے سے پہلے اس کے بارے میں فکر کرنا بہت ضروری ہے۔ زیادہ تر لوگ اس اصل پر عمل نہیں کرتے بلکہ سوچے سمجھے بغیر امور کو انجام دیتے ہیں اور جب رزلٹ خراب آتا ہے تو سر پیٹنا شروع کردیتے ہیں، لیکن پانی سر سے گزرنے کے بعد سر پیٹنے کا کیا فائدہ۔ جب انہیں اس مشکل کڑی میں کوئی راہ حل نظر نہیں آتا تو وہ ڈپریشن اور مختلف قسم کے نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ایک شخص رسول خداﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسولﷺ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ آنحضرتﷺ نے تین بار یہ پوچھا: اگر میں نصیحت کروں تو اسے انجام دوگے؟ اس شخص نے تینوں بار یہ کہا: میں عمل کروں گا۔ رسول اکرمﷺ نے ارشاد فرمایا: (إِذَا هَمَمْتَ بِأَمْرٍ فَتَدَبَّرْ عَاقِبَتَهُ) [1]؛ جب تم کوئی کام کرنا چاہو تو اس کام کے انجام دینے سے پہلے اس کی عاقبت کے بارے میں تدبر اور تفکر ضرور کرنا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تفکر اور سوچ کتنی اہم چیز ہے اور علم نفسیات کا اہم پہلو یہی انسانی سوچ اور فکر ہے۔ انسانی

---

[1]۔ (الکافی (ط۔الاسلامیہ) ج۸۔۱۰۵۔حدیث من ولد فی الاسلام۔۔۔ص۱۴۸)؛ برقی، احمد بن محمد بن خالد، المحاسن، جلد۱، ص ۱۶، ناشر: دار الکتب الاسلامیۃ، قم: ۱۳۷۱ق۔

سوچوں کے بدلنے سے اس کے رویوں میں اور عملی رفتار و کردار میں تبدیلی آتی ہے اور انسان اپنے ان رویوں کے ذریعے دوسری مخلوقات سے ارتباط قائم کرتا ہے؛ لہٰذا اچھی سوچ اور اچھی فکر ہی کے ذریعے انسان اعلیٰ منازل طے کر سکتا ہے۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: آگاہ رہو جس عبادت میں تفکر نہ ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔[1] دوسری جگہ آپؑ نے فرمایا: آگاہ رہو! ایسی قرآن کی تلاوت جس میں غور و فکر نہ ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔[2]

۲۔ حسد، غیبت اور غصے سے دوری

انسان جب نفسیاتی بیماری کا شکار ہوتا ہے تو دوسروں سے حسد کرنا اور اسی طرح دوسرے انسانوں کی غیبت کرنا شروع کر دیتا ہے لہٰذا یاد رکھئے اگر کوئی شخص کسی سے حسد یا کسی کی غیبت کرتے ہوئے دیکھیں تو سمجھ لیجئے وہ نفسیاتی مریض ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ان دونوں صفتوں کو صفات رزائل میں سے قرار دے کر مومنین کو ان سے پرہیز کرنے کی سفارش کیا ہے غیبت اور حسد۔ ماہرین علم نفسیات کہتے ہیں: غصہ ایک ایسی چیز ہے جس سے انسانی صحت و شخصیت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔

۳۔ جسمانی اور نفسیاتی امراض کے وقت لوگوں کی عیادت کرنا

جب انسان مریض ہو جاتا ہے تو اسے وہم ہونے لگتا ہے اور نفسیاتی طور پر بھی عجیب و غریب باتیں سوچنے لگتا ہے، اس کی سوچ اور رویئے بدل جاتے ہیں۔ اس مشکل کو حل کرنے کیلئے ہمارے آخری رسول نے تاکید فرمائی ہے کہ جب کوئی بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کیلئے جا کر اس کی حوصلہ افزائی کرو۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو یہ مریض کی تنہائی دور ہونے کا اور حوصلہ افزائی کا

---

[1]۔ (الکافی (ط۔الاسلامیہ) ج ا۔ ۳۶۔ باب صفۃ العلما۔۔۔ ص ۳۶۔
[2]۔ (الکافی (ط۔الاسلامیہ) ج ا۔ ۳۶۔ باب صفۃ العلما۔۔۔ ص ۳۶۔

سبب بنے گا۔انسان حوصلہ افزائی سے ہی سکون محسوس کرتا ہے اور اسے امید کی کرن دکھائی دیتی ہے۔ ذہنی اور نفسیاتی تمام مشکلات کا حل یہ ہے کہ انسان اپنا تعلق دنیا میں رہنے والوں کے ساتھ ٹھیک کرے۔ مرحوم شہید صدر فرماتے ہیں : اس تعلق کا دائرہ بہت وسیع ہے شہید صدر اس تعلق کے دائرے کو مزید توسیعہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: انسان کو تین قسم کے تعلقات اور رابطے کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے اگر ہم انسان کی رفتار اور رویہ کی جانچ پڑتال کرنا چاہیں تو اس کی تین صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

۱۔انسان کا رابطہ خدا کے ساتھ

۲۔انسان کا رابطہ انسان کے ساتھ

۳۔انسان کا رابطہ دوسری مخلوقات کے ساتھ

انسان کا رابطہ خدا کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے اس رابطے کو برقرار رکھنے کے لئے انسان کو کیسا کردار اور رفتار اور کن رویوں کو اپنانے کی ضرورت ہے؟

اس کا جواب دنیا کا کوئی مکتب نہیں بتا سکتا، سوائے دین کے، دین بتائے گا کہ انسان کا رابطہ اپنے خدا کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے۔انسان اور خدا کے درمیان رابطے کے لیے دینی متون میں فقہ عبادی کے نام سے ایک پورا باب (Chapter) موجود ہے۔ جس میں اس بات کی وضاحت ملے گی کہ انسان کو خدا سے کیسے رابطہ کرنا چاہیے۔ اس ارتباط کو برقرار رکھنے کے لئے انسان کا کیا کردار ہونا چاہیے۔

دین، اخلاق، احکام (وظایف) اور اعتقادات کے مجموعے کا نام ہے۔

اخلاق

اخلاق اس گوہر نایاب کا نام ہے جس کی تکمیل کے لئے خداوند عالم نے پیغمبر اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا، جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود حضور ﷺ فرماتے ہیں: (إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ) [1]؛ مجھے سب سے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

اسلام اگر قلیل مدت میں پوری دنیا میں پھیلا ہے تو اس کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ آپ ﷺ کا اخلاق ہے۔ اسلامی تاریخ میں بہت سارے ایسے حوادث اور واقعات رونما ہوئے ہیں جن کو ہر مورخ نے اپنے قلم کا زینہ بنایا ہے۔ انہیں اہم واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ جزیرۃ العرب سے اسلام بہت جلد پوری دنیا کے مختلف خطوں میں پھیل گیا۔ مفکر اسلام شہید استاد مطہریؒ اپنی کتاب سیری در سیرہ نبوی میں لکھتے ہیں: اسلام کے علاوہ دوسرے بہت سارے ادیان بھی مشہور ہوئے اور دنیا میں پھیلے۔ جن میں بودائی اور عیسائی مذہب وغیرہ کا نام سر فہرست آتا ہے۔ عیسائی مذہب کا محل ظہور بیت المقدس ہے، لیکن یہ مذہب آہستہ آہستہ مشرق سے زیادہ مغرب میں پھیلا۔ آج کل مغرب اور امریکہ جیسے ملکوں میں ان کے ماننے والوں کی تعداد زیادہ پائی جاتی ہے۔ بودائی مذہب کی کا محل ظہور ہندوستان ہے، لیکن اس مذہب کے ماننے والے ہندوستان سے باہر ملکوں میں جیسے چین اور جاپان وغیرہ میں زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔ زرتشتی مذہب کا محل ظہور ایران ہے، لیکن اس میں کوئی ترقی نہیں ہوئی یہاں تک کہ خود ایران کے لوگوں کو بھی یہ مذہب قانع نہیں کرسکا، البتہ کچھ لوگ جو اس وقت پارسیان ہند کے نام سے

---

[1]۔ نوری، حسین بن محمد تقی، مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل، ص ۱۸۷، قم، ناشر: مؤسسۃ آل البیتؑ، سال چاپ: ۱۴۰۸ق

ہندوستان میں زندگی کر رہے ہیں ان کی اصلیت ہندوستانی نہیں ہے بلکہ ایرانی زرتشتی مذہب کے ماننے والے ہیں، یہ لوگ ہجرت کرکے ہندوستان گئے ہیں۔ اسی طرح اسلام کا محل ظہور جزیرۃ العرب ہے، لیکن اسلام بھی پوری دنیا میں پھیلا فرق صرف یہ ہے کہ اسلام بہت جلد قلیل مدت میں پوری دنیا میں پھیل گیا جب کہ دوسرے ادیان کو ان کے ماننے والوں کی کافی سعی وتلاش کے باوجود دنیا کے مختلف خطوں میں پہنچنے میں صدیاں بیت گئیں۔[1]

فرانس کے مشہور و معروف شاعر لے مارٹین La Martine کا مشہور قول ہے کہ اگر تین چیزوں کو مد نظر رکھ کر پیغمبر اسلام کی پاک سیرت کا جایزہ لیا جائے تو تاریخ میں کوئی بھی شخص پیغمبر اسلام کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے کوئی بھی شخص لوگوں سے اپنی بات منوانا چاہتا ہو تو اسے تین چیزوں کی ضرورت ہوگی:

۱۔ مادی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲۔ افرادی قوت کی ضرورت ہوگی۔

۳۔ اس کے چاہنے والے اور اقرباء اس کی مخالفت نہ کریں۔

انسان ان تین شرایط کے ساتھ معاشرے میں اپنی ہر بات منوا سکتا ہے اور وہ اپنے اہداف اور مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

لیکن تاریخ اسلام میں پیغمبر کی شخصیت ایک عجیب شخصیت ہے۔ اس کے پاس نہ مال ودولت تھی، نہ افرادی قوت اور اس کے خاندان والوں نے بھی اس کی مخالفت کی۔ یہاں تک کہ تاریخ لکھتی ہے کہ آپ کے اپنے خاندان میں ہی آپ کے ساتھ سخت دشمنی کرنے موجود تھے۔ صرف

---

[1] ۔ مطہری، مرتضی، سیری در سیرہ نبوی، ص۔۔۔۔

آپ کی فرمانبردار بیوی حضرت خدیجہ اور آپ کا چچازاد بھائی حضرت امیر المومنینؑ آپ پر ایمان لائے۔ ان دونوں شخصیتوں کے علاوہ کوئی اور آپ پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ اس کے باوجود پیغمبر اسلام ﷺ اپنے عالی ہدف میں بہت جلد کامیاب ہوگئے۔ یہاں پر انسان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس کی وجہ کیا تھی؟

کیسے قلیل عرصے میں اللہ کے حبیب ﷺ اپنے پاک مشن میں کامیاب ہوئے؟؟

استاد مطہریؒ فرماتے ہیں: اس کامیابی کا پہلا عامل قرآن کا زندہ معجزہ ہے۔ قرآن کی خوبصورتی، عمق، گہرائی اور جاذبیت تھی جس کی وجہ سے لوگوں نے قلیل عرصے میں آپ کی دعوت کو قبول کیا۔ کیوں کہ قرآن میں ہر خشک وتر کا ذکر موجود ہے، قرآن کی حفاظت کرنے والا خدا ہے، قرآن میں ہر بیماری کا علاج موجود ہے، قرآن انسان کو زندگی کرنے کا سلیقہ سکھاتا ہے، قرآن انسان کو زندگی کے ہر موڑ پر چاہئے دنیاوی کامیابی ہو یا اخروی سعادت اور کامیابی کی راہ معین کرتا ہے۔

اور دوسرا عامل پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت و سیرت تھی جس کی وجہ سے لوگوں نے بہت جلد آپ کی تعلیمات ،اخلاق، گفتار اور رفتار سے متاثر ہو کر اسلام کو قبول کیا۔ قرآن نے آپ کی مختلف سیرت کی طرف اشارہ کیا ہے، آپ کے اخلاقی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:
(فَ بِما رَحمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُم وَلَو كُنتَ فَظًّا غَليظَ القَلبِ لَانفَضّوا مِن حَولِكَ فَاعفُ عَنهُم وَاستَغفِر لَهُم وَشاوِرهُم فِي الأَمرِ فَإِذا عَزَمتَ فَتَوَكَّل عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ المُتَوَكِّلينَ)[1]؛ (اے رسول) یہ مہر الٰہی ہے کہ آپ ان کے لئے نرم مزاج واقع ہوئے اور اگر آپ تند خو اور سنگدل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، پس ان سے در گزر کریں اور ان کے لئے

[1]۔آل عمران: ۱۵۹۔

مغفرت طلب کریں اور معاملات میں ان سے مشورہ کرلیا کریں پھر جب آپ عزم کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کریں۔اس آیت کو سننے کے بعد انسان یہ سوچتا ہے کہ اللہ کے حبیب اپنے تمام زندگی کے امور میں چاہئے انفرادی امور ہوں یا اجتماعی لیّن اور خوشرو تھے۔آپ ہمیشہ لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے تھے، جب ہم آپ کی پاک سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف انفرادی اور شخصی امور میں نرم اور لین تھے، ہمیشہ خندہ پیشانی اور خوش مزاجی کا مظاہرہ فرماتے تھے، لیکن اجتماعی امور میں آپ بہت ہی خشن اور سختی سے پیش آتے تھے۔

اعتقادات:

دینی احکامات، اخلاقیات اور عقائد سے آشنا ہونا ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے ضروری ہے اخلاقیات اور احکامات سے پہلے ایک مسلمان کو اسلام کے بنیادی عقائد کا جاننا اور سمجھنا نہایت ضروری ہے۔اس کی اگر ہم اپنے معاشرے اور سوسائٹی کی مثال دینا چاہیں تو اس طرح دے سکتے ہیں ہر تعلیمی اداروں کے اپنی شرائط، ضوابط اور قوانین ہوا کرتے ہیں ایک طالبعلم (Student) اگر کسی یونیورسٹی (University) میں پڑھنا چاہیے تو اس کیلئے ضروری ہے اس یونیورسٹی کے ہر قانون اور شرائط کو فالو کرے اسی وجہ سے ہر یونیورسٹی میں ایڈمیشن (Admission) کے وقت ایک فارم پر (Fill)

کرنا ہوتا ہے جس پر یونیورسٹی کے تمام قوانین درج ہوتے ہیں طالبعلم اس فارم کو پر کرکے اس پر اپنا سائن (Sign) کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان قوانین وضوابط کو فالو (Follow) کرے گا گرچہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن سے پہلے اس کے قواعد وضوابط کی رعایت کرنا ضروری نہیں تھا لیکن یونیورسٹی جوائن کرنے کے بعد اسے فالو کرنا ضروری ہوتا ہے بلکل اسی طرح ایک شخص دین

مقدس اسلام کے دائرے میں آنے سے پہلے اس کے قواعد وضوابط کو فالو کرنا ضروری نہیں ہے لیکن دین کو قبول کرنے کے بعد اس کے سارے قوانین کی رعایت کرنا ضروری ہے۔

اسلام کے قوانین میں عقائد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ عقیدے کی اہمیت کو بیان کرتے ہوے مشہور رائٹر ڈاکٹر محمد طیب خان لکھتے ہیں: زندگی اور عقیدے کے درمیان اگر فاصلے حائل ہو جائیں تو زندگی ماہی بے آب کی مانند تڑپنے لگتی ہے، اسی لیے انسان زندہ رہنے کے لیے ہوا، روشنی اور پانی کی طرح ایک صحت مند، عقلی اور فطری عقیدے کی ضرورت کو شدت سے محسوس کرتا ہے۔ عام خیالات، پراگندہ اور منتشر خیالات عقیدہ نہیں ہوتے۔ عقائد سے مراد چند مضبوط، محکم، غیر متزلزل، غیر مشکوک اور اصولی خیالات ہوتے ہیں۔ عمل سے عقیدے کی پہچان ہوتی ہے، کیونکہ ہر عمل، عقیدے کا عکس ہوتا ہے۔ انسان کی ساری عملی جدوجہد عقائد کے زیر سایہ پھلتی پھولتی اور پروان چڑھتی ہیں۔[1]

احکام:

آج کل کے جوان روحانی لوگوں سے پوچھتے ہیں: مولانا صاحب فلان حکم کا فلسفہ کیا ہے؟

اگر مولانا کہے مجھے نہیں پتہ تو فورا کہتا ہے پھر میں عمل بھی نہیں کرونگا۔

نفسیاتی بیماری میں مبتلا جوانوں کو اس بیماری سے نجات دلانے کے لئے پہلے اس مثال میں غور کرنا نہایت ضروری ہے۔

ایک شخص بیمار ہو جائے اور وہ اپنے علاج کی غرض سے کسی اسپیشلیسٹ ڈاکٹر کے پاس جائے۔ ایسی صورت میں مریض ڈاکٹر سے تین قسم کا برتاو کر سکتا ہے:

---

[1]۔ (ایکسپرس نیوز کالم سے ماخوز ایمان کی ضرورت اور اہمیت جمعہ ۲۰ نومبر ۲۰۱۸)

۱۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب مریض کا معاینہ کرکے نسخہ دے دیتے ہیں، جس پر اس کی ساری ضرورت کی دوائیوں کے نام لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ڈاکٹر مریض کو کہتے ہیں کہ ان دوائیوں کو دو ہفتہ تک استعمال کرو ان شاء اللہ بہت جلد ٹھیک ہو جاوگے۔ مریض نسخہ لے کر شکریہ ادا کرتا ہے اور کسی قسم کی استفسار کے بغیر ڈاکٹر کی باتوں پر عمل کرتا ہے، میڈیکل اسٹور سے اپنی دوائی لے کر استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے۔ چند ہفتہ ان دوائیوں کے استعمال کے نتیجے میں وہ بلکل تندرست ہو جاتا ہے۔

۲۔ مریض کا دوسرا برتاو یہ ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر سے نسخہ وصول کرنے کے بعد کہے: سوری ڈاکٹر صاحب کیا میں ایک سوال آپ سے پوچھ سکتا ہوں؟ ڈاکٹر جواب میں کہتے ہیں کوئی بات نہیں کہئے، ایسے میں مریض کہتا ہے ڈاکٹر صاحب اس نسخہ پر آپ نے جو دوائیاں لکھی ہیں یہ کیسے مفید ہو سکتی ہیں؟ اس کے اسرار کیا ہیں؟ جب تک مجھے ان میڈیسنز کی حکمت اور فلسفہ نہیں بتائیں گے تب تک میں ان دواء کو نہیں لونگا۔ اس پر جناب ڈاکٹر کہتے ہیں اس پر کچھ گولیاں شربت اور کچھ انجکشن لکھے ہوئے ہیں گولی دن میں دو ٹائم کھانے کے بعد استعمال کروگے تو یہ آہستہ آہستہ بیماری جڑ سے ختم ہو جائے گی اور انجکشن لگواوگے تو درد میں کمی آجائیگی و۔۔۔۔ اگر تم نے ان پر مسلسل عمل کیا تو ان شاء اللہ دو ہفتے کے اندر تم تندرست ہو جاوگے۔ یہ سب سننے کے بعد مریض ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرکے چلا جاتا ہے اور دوائیوں کا استعمال کرکے تندرست ہو جاتا ہے۔

۳۔ تیسری قسم کا برتاو یہ ہو سکتا ہے کہ جب ڈاکٹر سے مریض دوائیوں کے بارے میں استفسار کرتا ہے تو ڈاکٹر کے پاس ٹائم نہ ہونے کی وجہ سے یا تھکاوٹ کی وجہ سے جواب میں کہتا ہے کہ میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہے اور نہ حوصلہ کہ آپ کو اپنے پاس بٹھا کر ساری دوائیوں کی تفصیل

بتاوں، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی آپ یہاں سے چلے جائیں۔ ڈاکٹر کے اس جواب سے بیمار آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور کہتا ہے اچھا اگر آپ مجھے ان دوائیوں کی حکمت اور مصلحت نہیں بتاوگے تو میں کبھی بھی آپ کی لکھی ہوئی گولیاں اور شربت استعمال نہیں کرونگا مجھے آپ کے نسخے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ کہہ کر وہی پر نسخے کو پھاڑ دیتا ہے اور دوائی لئے بغیر گھر چلا جاتا ہے۔

ان تین قسموں میں سے تیسری قسم سب سے برا برتاو ہے۔ اس کی تمام عقلائے عالم مذمت کریں گے۔ سارے لوگ اس بیمار سے کہیں گے یہ کیسا برتاو ہے؟ یہ کونسا عاقلانہ کام ہے جو تم نے کیا؟ کیا تم نہیں جانتے تھے کہ اسپیشلسٹ ڈاکٹر کی لکھی ہوئی دوائی کھانے سے تم جلد صحت یاب ہو جاتے؟ اس کے باوجود تم نے اس کے نسخے کو پھاڑ دیا اور دوائی لئے بغیر گھر چلے گئے، جس سے خود تمہارا نقصان ہوا۔ تمہارے ڈاکٹر کے پاس جانے کا ہدف اور مقصد اپنا علاج کرانا تھا اور چیک اپ کرا کر دوائی تجویز کروانی تھی، تمہارا یہ ہدف تو حاصل ہو چکا تھا؛ لہٰذا ہر عاقل انسان اس کی مذمت کرے گا۔ اللہ تعالی کی طرف سے آئے ہوئے تمام برگزیدہ انسان، طبیب اور ڈاکٹر ہیں اور ساری بشریت مریض۔ یہ ڈاکٹرز آئے ہیں ان بشریت کا روحانی علاج کرنے اور جو نسخے یہ لوگ بشریت کے علاج کے لئے لے کر آئے ہیں وہ ہے دین کے داستورات اور جامع قانون۔ جس پر عمل کرنے کی صورت میں انسان سعادت ابدی تک پہنچ سکتا ہے۔

جب اللہ کی طرف سے انبیاء، دین کے دستورات، اصول اور قواعد کو لے کر آئے، یہاں پر بھی انسانوں کا برتاو ان برگزیدہ لوگوں کے ساتھ مذکورہ تین قسم کا برتاو ہو سکتا ہے۔ کچھ لوگ سلمان، مقداد اور ابوزر جیسے ہیں جو بلا چوں وچرا پیغمبر اکرم ﷺ کے ہر حکم اور دعوت پر لبیک کہتے ہوئے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ مثلا دین اور اللہ کے رسول نے کہا صبح کی دو رکعت نماز واجب

ہے، وضو کا طریقہ یہ ہے، حج کے اعمال بجالانے کا طریقہ یہ ہے و۔۔۔ ان لوگوں نے بغیر کسی سوال کے اللہ کے رسول کے ہر حکم پر عمل کیا۔ دوسرے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں فلان حکم جو آپ نے کہا اس کا فلسفہ کیا ہے؟ مثلا کیوں ظہر کی چار رکعت نماز واجب ہے دو کیوں نہیں وغیرہ۔۔

بر گزیدہ لوگوں کے ساتھ انسان کا تیسری قسم کا برتاو یہ ہے کہ جب تک کسی حکم کی مصلحت سے انہیں آگاہ نہ کیا جائے تب تک عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے گرچہ اس حکم کی مصلحت اور وجہ رسول نے بیان کی ہو لیکن کسی رکاوٹ کی وجہ سے ہم تک نہ پہنچی ہو۔ یہ تیسری قسم بلکل ایسی ہے جیسے تیسری قسم کا برتاو مریض کا ڈاکٹر کے ساتھ تھا۔ یہاں پر بھی عقلاء ان لوگوں کی سرزنش کریں گے اور کہیں گے کہ تمہیں یقین ہے، دین اسلام حق ہے اور تمہارا یہ ایمان بھی ہے کہ اس دین کا لانے والا اللہ کی طرف سے آیا ہے، تم یہ بھی جانتے ہو اگر کوئی اللہ کے رسول اور دین مبین اسلام کے دستورات پر عمل کرے تو اسے سعادت ابدی ملے گی اور اگر سعادت ابدی چاہتے ہو تو ان دستورات پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ہر انسان عاقل کہے گا اگر تم نے ان دستورات پر عمل نہیں کیا تو کل سعادت ابدی تجھے نہیں ملے گی؛ لہٰذا اگر انسان شریعت کے کسی حکم (چاہئے واجب ہو یا حرام) کو اس وجہ سے کہ اس کی مصلحت، حکمت اور فلسفہ کا نہیں پتہ انجام نہ دے تو یہ اس کی بے وقوفی ہو گی۔

قدیم زمانے میں انسان کی مشکلات، وسائل کی کمی تھی۔ جب کی روانی اور روحانی طور پر انسان سالم تھا، ذہنی دباؤ اور پریشر سے خالی تھا، لیکن عصر جدید (جسے ٹیکنالوجی کا دور کہا جاتا ہے) میں وسائل کی کمی نہیں رہی، ہر قسم کے وسائل موجود ہونے کے باوجود روز بروز انسان کی روانی اور

روحانی مشکلات میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ وہ لوگ جن کے پاس مادی آسائشیں ہیں ان میں ذہنی اور روحانی مشکلات زیادہ نظر آتی ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو دین کو اپنانے میں ہی ان ساری مشکلات کا حل موجود ہے۔

نتیجہ:

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ بحیثت انسان معاشرے کے ہر انسان خواہ اس کا تعلق جس طبقے سے ہو اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ نفسیات جیسی مہلک بیماری کے سد باب اور اس کی جڑ معاشرے سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے بھرپور انداز سے اپنا کردار ادا کرے۔ خصوصا معاشرے میں موجود دولت مند افراد اور پڑھے لکھے لوگوں کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے، تاکہ اس مہلک بیماری کے شر سے ہماری نسلیں محفوظ رہ سکیں۔ اگر ہم اس کو اپنی نسلوں سے اور انسانی معاشرے سے ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو ایسی صورت میں اس کے بہت سارے فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۔ معاشرے میں زندگی کرنے والے بھرپور طریقے سے اپنی خداداد صلاحیتوں اور اس کی دی ہوئی استعداد سے استفادہ کر سکیں گے۔

۲۔ انسانی معاشرے سے چوری، ڈکیتی، قتل و خونریزی جیسے بڑے بڑے فسادات اور برائیوں کا خاتمہ ہوگا اور اس کے نتیجے میں انسانی معاشرہ ایک امن اور خوشحال معاشرہ میں تبدیل ہوگا۔

۳۔ آج کل کی دنیا میں ماں باپ سمجھتے ہیں کہ بچوں کو اولول اسکول میں پڑھانے سے ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ جب کہ ایسا ہر گز نہیں ہے، بلکہ جتنا بچوں کی دنیاوی زندگی سنوارنا ماں باپ کا وظیفہ ہے اس سے کئی گنا زیادہ اپنے بچوں کی آخرت سنوارنا اور آخرت کی زندگی آباد کرانا ضروری ہے۔ وہ زندگی جہاں ہمیشہ رہنا ہے، جسے حیات ابدی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قیامت کے ان ھولناک اور سخت مراحل کے بارے میں بچوں کی رہنمائی کرنا والدین کے اولین فرائض میں سے ہے۔ قیامت کا وہ دن،

جس کا تعارف اللہ تعالی نے قرآن مجید کی متعدد آیات میں کیا ہے، یقینا وہ مراحل بہت سخت اور دشوار ہیں، جن کی طرف توجہ کرنا ہم سب کے لئے ضروری ہے ورنہ وقت کے گزر جانے کے بعد کف افسوس ملنے کے علاوہ اور کچھ نہیں رہے گا اور پانی سر سے گزر جانے کے بعد متوجہ ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔

اگر ہم انسانی ڈپریشن اور نفسیاتی بیماریوں کے حل کا خلاصہ چند سطروں میں قلمبند کرنا چاہیں تو اس طرح بیان کر سکتے ہیں:

۱۔ ہمیشہ انسان یہ سوچئے کہ ہم خدا کی مخلوق ہیں اور وہ ہمارا خالق۔ مخلوق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی دنیاوی اور اخروی زندگی کے ہر موڑ میں اس کے محتاج ہیں اور خدا کی ذات ہر چیز پر قادر ہے۔ جس کے پاس خدا ہے اس کے پاس سب کچھ ہے جیسا کہ عرفہ کے صحرا میں امام حسینؑ اپنے پروردگار سے دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (مازاوجد من فقدك ومالذی فقدك من وجدك)؛ اے خدا جس نے تجھے پایا اس نے کیا کھویا اور جس نے تجھے کھویا اس نے کیا پایا۔

۲۔ کبھی بھی کسی انسان کو حقیر نہ سمجھیں، بلکہ ہمیشہ یہ سوچیں کہ یہ بھی خدا کی مخلوق ہے، ممکن ہے اللہ کے ہاں مجھ سے زیادہ اس کا مقام بلند ہو۔

۳۔ کبھی بھی اپنے مال دولت اور سرمائے پر فخر نہ کریں، بلکہ یہ بات اپنے ذہن میں بٹھانے کی کوشش کریں کہ ان ساری دولتوں کا حقیقی مالک خدا ہے اور یہ اس کی دی ہوئی نعمت ہے، ہمیں اس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ یہ اس کی دی ہوئی امانت ہے جس دن وہ چاہئے اپنی امانت لے سکتا ہے۔

۴۔ یاد رکھیں دولت صرف پیسہ نہیں ہے، بلکہ سب سے بڑی دولت علم اور صحت ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے: علم سب سے بڑی دولت بھی ہے اور طاقت بھی۔ اسی طرح صحت کے بارے میں یہ کہاوت بہت مشہور ہے: Health is wealth۔

۵۔ جو چیز آپ اپنے لئے پسند کرتیں ہیں دوسروں کے لئے بھی وہی چیز پسند کریں۔ جیسا کہ امام کا

فرمان بھی ہے۔۔۔

۶۔ صرف مادیات میں اپنی زندگی کو غرق کرنے کے بجائے اپنی اخروی زندگی (جہاں پر انسان نے ہمیشہ رہنا ہے) کی بھی فکر کیا کریں، پانچوں وقت کی نماز اور دوسری دینی تعلیمات پر حتی الامکان عمل کرنے کی کوشش کریں تاکہ ہماری دنیاوی زندگی آباد ہونے کے ساتھ ساتھ اخروی زندگی بھی سنور جائے۔

۷۔ ہمیشہ خدا کو یاد کیا کریں اس لیئے کہ جو خدا کو یاد کرتا ہے خدا بھی اسے یاد کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتا ہے: (فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ)[1]؛ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ حسین ابن علیؑ نے کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر خدا کو ان جملوں کے ساتھ یاد کیا (الهی رضا بقضائک و تسلیما لامرک لا معبود لی سواک یا غیاث المستغیثین)[2] خدا نے بھی اپنے وعدے پر عمل کرتے ہوئے حسینؑ کا نام تمام بشریت کے لئے اکسیر بنادیا اور اس جہاں میں رہتی دنیا تک تمام بنی نوع انسان کے لئے آپ کا روضہ دعاوں کی شرف قبولیت اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کا ذریعہ بنادیا، خواہ انسان جس مسلک اور فرقے سے تعلق رکھتا ہو کربلا میں اس کی مشکل حل ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے آج کل اتنی مہنگائی کے باوجود لوگ یہ آرزو اور تمنا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اے کاش کربلا کی زیارت نصیب ہو جائے۔

۸۔ ہمیشہ موت کو یاد کیا کریں۔

---

[1] ۔ بقرہ: ۱۵۲۔
[2] ۔ مقتل الحسین، مقرم، ص ۳۶۷.

کتابیات

قرآن کریم
نہج البلاغہ
۱) حقانی، ابوالحسن، روان شناسی کاربردی ، ناشر انتشارات موسسہ آموزشی وپژوھشی امام خمینی، زمستان ۱۳۹۵۔
۲) حسین شکرکن ودیگران، مکتب ہای روان شناسی ونقدآن، ناشر : سمت، ۱۳۹۴۔
۳) ریٹاال، اتکینسون ودیگران زمینہ رواں شناسی ہیلگارد، ترجمہ محمد نقی براہنی ودیگران، ناشر : رشد، ۱۳۹۹۔
۴) دونالدہب، درس نامہ روان شناسی، ترجمہ : جواد قہرمانی، انتشارات رشد، ۱۳۷۵۔
۵) کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی (ط-الاسلامیۃ)، ناشر : دار الکتب الاسلامیۃ، تہران، ۱۴۰۷ق۔
۶) مطہری، مرتضی، سیری در سیرہ نبوی، ناشر : صدرا، ۱۳۹۳۔
۷) نوری، حسین بن محمد تقی، مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل، قم، ناشر : مؤسسۃ آل البیتؑ، سال چاپ : ۱۴۰۸ق
۸) تمیمی آمدی، عبدالواحد بن محمد، غرر الحکم ودرر الکلم، دفتر تبلیغات، ایران؛ قم، ۱۳۶۶ش۔
۹) ابن شعبہ حرانی، حسن بن علی، تحف العقول، ناشر : جامعہ مدرسین، قم، ۱۴۰۴ / ۱۳۶۳ق۔
۱۰) لیثی واسطی، علی بن محمد، عیون الحکم والمواعظ، ناشر : دار الحدیث، مکان چاپ : قم، سال چاپ : ۱۳۷۶ ش۔
۱۱) برقی، احمد بن محمد بن خالد، المحاسن، ناشر : دار الکتب الاسلامیۃ، قم : ۱۳۷۱ق۔
۱۲) حلوانی، حسین بن محمد بن حسن بن نصر، نزہۃ الناظر وتنبیہ الخاطر، ناشر : مدرسۃ الامام المہدیؑ، قم : ۱۴۰۸ق۔
۱۳) مجلسی، محمد باقر بن محمد تقی، بحار الأنوار (ط-بیروت)، ناشر : داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۳ق۔
۱۴) علی بن موسی، امام ہشتمؑ، الفقہ المنسوب إلی الإمام الرضاؑ، ناشر : مؤسسۃ آل البیت ع، مشہد : ۱۴۰۶ق۔
۱۵) شعیری، محمد بن محمد، جامع الأخبار، ناشر : مطبعۃ حیدریۃ، بی تا۔
۱۶) مقرم، سید عبدالرزاق، مقتل الحسین، ناشر : آل علیؑ، ۱۳۸۴۔

اسلامی اور مغربی تعلیم وتربیت کے فلسفی مبانی

□ سید علی جواد ہمدانی**

مقدمہ

ہر قسم کی علمی ترقی در حقیقت فکری ارتقاء میں پوشیدہ ہے اور تمام انسانی علوم شعوری یا لا شعوری طور پر کسی نہ کسی خاص فلسفے پر مبنی ہیں۔ انہی فلسفوں کا باہمی تضاد ہی انسانی علوم میں موجود نظریات و تصورات کے اختلاف کا باعث بنتا ہے۔ مثال کے طور پر جو مادہ پرستانہ (Materialism) فلسفی نظام کے تابع ہوگا تو وہ محسوسات سے ماوراء کسی غیبی حقیقت کو قبول نہ کرے گا، یا جو کوئی عدمیّت (Nihilism) کے فلسفے کے زیر اثر ہوگا تو وہ انسانی اقدار کو کوئی اہمیت نہ دے گا اور ہر موقعے کو لذتیّت (Epicureanism) کے لئے استعمال کرے گا۔

مندرجہ بالا پس منظر کے ساتھ ہمیں اپنے افکار و تصورات کی صحیح فلسفی فکر کے ذریعے پرورش کی کرنے ضرورت ہے۔ یہی فلسفہ نہ صرف انسان کی علمی، فکری اور سماجی شخصیت کی بنیاد فراہم کرتا ہے بلکہ پورے انسانی نظام تصور و عمل پر بھی اثرانداز ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے دنیا میں تمام تربیتی مکاتب فکر (Educational Schools of Thought) انسانی خلقت کے ہدف اور اس کے اعلیٰ ترین مرتبہ کمال و سعادت کے بارے میں اپنا خاص تصور اور نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔ تصورات کے اس مجموعے سے ہر مکتب کی تہذیب و تمدن اور تعلیم وتربیت کی بنیاد تشکیل پاتی ہے، اور اس بنیاد پر مختلف اصول و مبادیات اور طریقہ کار اپنائے جاتے ہیں۔ انہی بنیادی ترین تصورات

کو مبانی کہا جاتا ہے۔

انسان کسی طرح نشوونما پاتا ہے؟ پلنے اور بڑھنے کے ہر مرحلے (بچپن، بلوغ، نوجوانی، جوانی۔۔) میں اس کے اندر کسی قسم کی روحانی، نفسیاتی اور عملی صفات وجود میں آتی ہیں؟ انسان کی پسند و ناپسند، احساسات، جذبات اور طور طریقے کس رخ میں پروان چڑھتے ہیں اور کس طرح ان کی نشونما ہونی چاہیے؟ عورت اور مرد کی شخصیت، انکے فطرتی و حیاتیاتی فرق کو کس مرحلے میں علیحدہ مورد توجہ قرار دینا چاہیے؟۔۔۔وغیرہ کے اصول اور طریقہ کار تربیتی مبانی کے ذریعے ہی واضح ہوتے ہیں۔ انسانی عقل و تصور کے اجزاء اور نظام کس طرح کا ہے اور کیسے عمل کرتا ہے؟ انسان اپنے ارد گرد کی اشیاء کو کس طرح درک کرتا ہے؟ اسکا اپنے ماحول کی نسبت عکس العمل کس قسم کا ہوتا ہے؟ اس لامتناہی اسرار سے بھرے موجود کو کس تعلیمی اور تربیتی پروگرام کے کنڑول میں قرار دیا جائے؟۔۔۔ جیسے بے شمار سوالوں کی تشریح و تفصیل تعلیم وتربیت کے بنیادی ترین اصولوں یعنی مبانی میں پوشیدہ ہے۔ جب تک ان سوالوں کا تسلی بخش جواب واضح نہ ہو، انسانی تعلیم اور تربیت کی صحیح اور قابل ستایش منصوبہ بندی نہیں ہو سکتی۔

اس موضوع پر بحث کی ضرورت اور اہمیت

تعلیم وتربیت یا تعلیمی نظام کے مبانی سے آشنایی کی ضرورت اور اہمیت اس مثال سے واضح ہو سکتی ہے۔ فرض کریں ہم ایک شاندار عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ یقینی طور پر اس عمارت کی بنیادوں اور ان پر وجود میں آنے والی تعمیرات کو ایک ماہرانہ اور تفصیلی نقشے کے تحت اول سے آخر تک پایۂ تکمیل کو پہنچائیں گے۔ اگر یوں نہ کریں تو کبھی بھی اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اگر ہم زیر زمین بنیادوں کو تو ایک ماہر تعمیرات کے نقشے کے تحت تیار کروایں، جبکہ اوپر کھڑی